Negotiations 5:1 (Jun. 2025) pp. 133-145 **ISSN: 2789-293X**

ناول "ڈرپوک" میں تہذیبی کشمکش

Civilizational Clash in the Novel "Darpok"

Hafza Humra Mobeen
Ph.D Scholar-Urdu, University of Sialkot, Sialkot
mobeenhumra@gmail.com
Bilal Javed
Ph.D Scholar-Urdu, University of Sialkot, Sialkot
bjanjua19@gmail.com

KEYWORDS

Darpok
Eastern Society
Traditional Values
Corruption
Poverty
Freedom
Spiritual
Exploitation
Cultural Values

DATES

Received	**10-05-2025**
Accepted	**10-06-2025**
Published	**30-06-2025**

QR CODE

ABSTRACT

The novel Darpok presents a comparative study of Eastern and Western societies. The Eastern society is marked by traditional values, family bonds, hospitality, and religious inclinations, but also plagued by corruption, poverty, and disregard for law. The Western society emphasizes individual freedom, rule of law, punctuality, and equal opportunities, yet suffers from spiritual emptiness and weakened family ties. Through the dialogue between the characters Arora and Sonia, the strengths and weaknesses of both systems are highlighted. The novel also critiques the self-serving elite, bureaucratic exploitation, rural system flaws, and the political nature of the panchayat. Hussain Shahid's literary style and Dr. Mushtaq Adil's idiomatic translation make the text engaging and eloquent. This work offers readers a balanced understanding of both societal frameworks and provokes thought on how to blend progress with moral and cultural values. It is both a social critique and a bridge between two contrasting worlds. In this article the same nove is discussed.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/154

تلخیص:

ناول ڈرپوک میں مشرقی اور مغربی معاشرت کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مشرقی معاشرے میں روایتی اقدار، خاندانی نظام، مہمان نوازی اور مذہبی رجحانات نمایاں ہیں، لیکن یہاں کرپشن، غربت اور قانون شکنی جیسے مسائل بھی موجود ہیں۔ مغربی معاشرہ انفرادی آزادی، قانون کی عملداری، وقت کی پابندی اور مساوی مواقع پر مبنی ہے، مگر وہاں روحانی خلا اور خاندانی رشتوں کی کمزوری دکھائی دیتی ہے۔ ناول کے کردار اروڑہ اور سونیا کے مکالمے میں دونوں نظاموں کی خوبیاں اور خامیاں واضح کی گئی ہیں۔ اشرافیہ اور افسر شاہی کی مفاد پرستی، دیہی نظام کی کمزوریاں اور پنچایئت کی سیاست کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ حسین شاہد کے اسلوب اور ڈاکٹر مشتاق عادل کے بامحاورہ ترجمے نے متن کو دلکش اور فصیح بنادیا ہے۔ یہ ناول قاری کو دونوں معاشرتی ڈھانچوں کا متوازن فہم دیتا ہے اور سوال اٹھاتا ہے کہ ترقی اور اقدار کا امتزاج کیسے ممکن ہے۔اس آرٹیکل میں اسی ناول کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

سماج لفظ سنسکرت زبان کے دو الفاظ سے مل کر بنا ہے سم اور آج۔ سم کے معنی ہیں اکٹھا یا ایک ساتھ اور آج کے معنی ہیں متحد رہنا یعنی سماج کے معنی ہیں ایک ساتھ مل کر رہنا اس سے ثابت ہوتا ہے افراد کا مجموعہ سماج کہلاتا ہے۔ فرہنگ تلفظ کے مطابق "لفظ سماج کے لغوی معنی معاشرہ، سوسائٹی، انجمن، حلقہ، ٹولا یا صف کے ہیں اور یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔"[(1)] انگریزی زبان میں اس کے لیے سوسائٹی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ معاشرہ یعنی سماج میں سیاست کا بہت کردار ہے کیونکہ معاشرے کے تمام معاملات سیاسی طور پر حل کیے جاتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی اگر دیکھیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ معاشرے میں پائے جانے والی سوسائٹیاں، انجمنیں، حلقہ اور ٹولیاں سماج کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان کے بغیر معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔

اصطلاح میں سماج کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں۔ ایک ایسا نظام جس کے تحت رسم ورواج، روایات اور مذہبی اقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اجتماعی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اور اپنی ترقی کے لیے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وارث سرہندی علمی اردو جامع میں سماج کے معنی اس طرح قلم بند کرتے ہیں۔ سماج یعنی سوسائٹی کی اجتماعی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اپنی ترقی اور بہبود کے لیے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ سماج ان افراد کا گروہ ہے جو کسی بھی مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ آپس میں ملنے جلنے اور تعاون کے لیے ان افراد کے مقصد کا ایک ہونا ضروری ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی قومی انگریزی اردو لغت میں سوسائٹی کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"سوسائٹی۔ معاشرہ، سماج، سوسائٹی، رفاقت

الف-لوگوں کا گروہ جو کسی مشترکہ مقصد کے لیے باہم متحد ہو۔

ب-ادبی، سائنسی، سیاسی، مذہبی، فلاحی مقاصد وغیرہ کے لئے افراد کا ربط اور ضبط۔

ج- کسی خطہ کے لوگ یا کسی عہد کے لوگ جن میں بالحاظ اطوار، رسومات یا معیارات، زیست یا یگانگت پائی جائے۔"(2)

معاشرے کے افراد اپنے اپنے مفادات کے لیے اکٹھے رہتے ہیں۔ لوگوں کے یہ ذاتی مفادات معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ مفادات جو معاشرے کی تشکیل میں مثبت کردار ادا کرسکتے ہیں وہ معاشرے کی ترقی میں اہم سمجھے جاتے ہیں۔ لوگوں کے ذاتی مفادات جو صرف فرد واحد یا مخصوص افراد کے مفادات میں ہوں، معاشرے کی تشکیل پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ لوگوں کا مثبت رویہ ہی معاشرے اور سماج کی بہتری کا ضامن ہے۔ لوگوں کا ایک ایک عمل معاشرے پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے جس طرح قطرہ قطرہ مل کر سمندر بنتا ہے یا ایک ایک اینٹ سے مل کر عمارت بنتی ہے اسی طرح معاشرے میں موجود ہر فرد اس قطرہ اور اینٹ کی مانند ہے جو معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرے کی مضبوط عمارت کا انحصار صریحاً افراد پر ہوتا ہے۔ افراد جیسا چاہیں ویسا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ معاشرہ کلی طور پر افراد پر منحصر ہوتا ہے۔ معاشرہ اور فرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے معاشرے کی ضرورت رہتی ہے۔ لوگ اپنی خواہشات اور مفادات کی تکمیل کی غرض سے معاشرے میں مل جل کر رہتے ہیں۔ خوشی غمی شادی بیاہ اور دیگر محافل میں افراد ایک دوسرے کی خاطر شریک ہوتے ہیں اور یہی معاشرے کا وصف ہے۔

ہر معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے اپنے رسم و رواج اور ثقافت ہوتی ہے جن کی پیروی ہر فرد پر لازم ہوتی ہے۔ دیگر معاشروں کی طرح مشرق اور مغرب کے معاشرے کے اپنے اپنے رسم و رواج، روایات، اقدار، ثقافت ہوتی ہے۔ جغرافیائی طور پر ایشیا، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ مشرقی معاشرے کا حصّہ ہیں۔ مشرقی معاشرے میں پیار، محبت، بھائی چارہ، بزرگوں کا عزت و احترام، مشترکہ خاندانی نظام، مذہبی اور ثقافتی اقدار وغیرہ کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مشرقی معاشرے میں والدین کما کر اپنے بچوں کی کفالت کرتے ہیں ایک کمانے والا ہوتا ہے اور پورا خاندان اس پر منحصر ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس مغربی معاشرہ جغرافیائی طور پر ایسا معاشرہ ہے جس میں یورپ اور شمالی امریکہ شامل ہیں۔ ایسے معاشرے میں انفرادی آزادی جمہوریت، سائنسی ترقی اور سیکولرازم کو بہت فروغ دیا جاتا ہے۔ مغربی معاشرے میں افراد اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ کسی خاندانی رسم و رواج اور روایات کے پابند نہیں ہوتے۔ مغربی معاشرے میں ریاست ہر فرد کو تعلیم، صحت اور دوسری سہولیات میسر کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ ایسے معاشرے میں میں والدین ہر طرح کی ذمہ داری سے آزاد ہوتے ہیں۔

حسین شاہد اردو اور پنجابی کے نامور شاعر افسانہ نگار اور نقاد تھے۔ طویل عرصہ ہالینڈ میں مقیم رہے وہ کہا کرتے تھے کہ وطن عزیز میں رہنے کے لیے جو خاص قسم کی قابلیت درکار ہے وہ اس سے محروم رہے۔ پنجابی زبان سے رشتہ جوڑے رکھنے کی ایک وجہ اپنے وطن سے محبت تھی۔ پنجابی زبان میں لکھنے والے بڑے بڑے ناموں میں حسین شاہد کا نام نمایاں ہے۔ پنجابی کے قد آور

ادیب ہونے کے باعث ان کا زیادہ کام اسی زبان میں نظر آتا ہے۔ ان کی کتابوں میں "لاپریت"(کہانیاں)،"پورنے" (تنقید) ، "ڈراکل" (ناول)اور"عشق تے روٹی" (شاعری) قابل ذکر ہیں۔

ڈرپوک یعنی ڈراکل پنجابی زبان کا سب سے بڑا ناول ہے اپنے موضوع اوراسلوب کے باعث ناول کی صنف میں اس سے پہلے اتنا بڑا کام نہیں ہوا۔ڈرپوک ظاہری طور پر تو ایک بالکل بے وقعت بندے "اروڑے" کی کہانی ہے مگر اپنی گہرائی کے اعتبارسے یہ پورے ملک،ملک کی سیاست اورسیاست میں مذہب اوروڈیروں کے نام سے قائم اس جاگیر دارانہ سوچ کااحوال ہے جسے پڑھتے ہوئے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس ناول میں پہلی بار ملکی خزانے کو بے رحمی سے لوٹنے والوں کے ساتھ ساتھ ملکی معاملات میں بیورو کریسی اور فوج کے کردار کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ناول کا کردار اروڑہ سماج کے عام آدمی کا نمائندہ ہے۔مسجد سے چوری کرنے کے بعد جو سلوک اس سے برتا جاتا اس سے ڈرخوف اور دہشت ساری عمر اس کے اندر دیکھی جا سکتی ہے۔ سکول کالج اور پھر بیرون ملک نوکری کرتے ہوئے لگتا ہے یہ بلائیں اس کے ساتھ جوان ہورہی ہیں۔اس کی دوست سونیا کے ساتھ مکالمہ اصل میں مشرق اور مغرب کے درمیان ایک ڈائیلاگ ہے،جس کی اپنی اہمیت ہے دونوں کے درمیان مشرقی اور مغربی تہذیبوں پر لمبی چوڑی گفتگو ہوتی ہے جس کے بعد اروڑہ اس احساس میں مبتلا ہو جاتا کہ اس نے ساری زندگی بے مقصدیت میں گزار دی۔

ناول "ڈراکل"کا ترجمہ ڈاکٹر مشتاق عادل نے کیا ہے۔ڈاکٹر مشتاق عادل اردو زبان و ادب کا ایک معتبر نام ہے۔ جنھوں نے علمی،ادبی، تحقیقی اور تنقیدی میدان میں بیش بہا اضافہ کیا ہے وہ نہ صرف ماہر تعلیم اور محقق ہیں بلکہ ایک ممتاز مترجم شاعر اور کالم نگار کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق اردو کے ان ادیبوں سے ہے جنھوں نے ادب کو صرف مطالعے کا موضوع نہیں بنایا بلکہ انھیں تخلیقی صلاحیتوں سے وسعت دی ہے۔ان کی تحقیق و تنقید کا خاص میدان اردو ناول ہے۔ اپنی تحقیقی بصیرت سے انھوں نے اردو ناول کو ایک نئی جہت بخشی۔ ادب میں ان کا علمی اور تنقیدی سرمایہ 14 سے زائد کتب پر مشتمل ہے جن میں اردو افسانے، ناول، تحقیق، تنقید اور تراجم پر مبنی تصانیف شامل ہیں۔ بطور مترجم انھوں نے عالمی ادب کے بعض اہم فن پاروں کو اردو قالب میں ڈھال کر قارئین کو بین الاقوامی فکری رویوں سے آگہی دی۔ ڈاکٹر مشتاق عادل کے اس ترجمے کے حوالے سے حفیظ خان لکھتے ہیں:

> "ڈاکٹر مشتاق عادل ایک ہمہ جہت اور مشاق تخلیق کار ہیں ادب کے سبھی گوشے ان کی دسترس میں رہے ہیں ایسے میں جب کہ پنجابی ان کی ماں بولی اور اردو ان کا عشق ہے تو بھلا کیسے ممکن ہے کہ ان دونوں زبانوں کے وٹاندرے میں انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تاڈراکل میں حسین شاہد کا اسلوب اپنی جگہ لیکن ڈاکٹر مشتاق عادل نے ڈرپوک میں جس اسلوب کو پوری مہارت اور سلاست سے اپنایا ہے اس نے ناول کے متن کو تخلیقی اعتبار عطا کیا ہے"(3)

ڈاکٹر مشتاق عادل اس وقت یونیورسٹی آف سیالکوٹ میں اردو شعبے میں بطور صدر شعبہ خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے بے شمار طلبہ کی علمی رہنمائی کی اور اردو ادب کے فروغ میں ایک فعال کردار ادا کیا ہے۔

ناول ڈرپوک میں مشرقی اور مغربی معاشرے کے جن پہلوؤں پر بات کی گئی ہے وہ قابلِ ذکر ہیں۔ مشرقی معاشرے میں پائے جانے والی کرپشن اور سیاسی عدم استحکام کو ناول میں عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ مشرقی معاشرے کا نظام چلانے میں افسر شاہی اہم کردار ادا کرتے ہیں ان کا کام حکمرانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اندر ایک ریاست کی مانند ہوتے ہیں اور لامحدود اختیارات کے مالک ہوتے ہیں ان کو سنبھالنا یا قابو کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ یہ اپنی طاقت کے زور پر حکومتوں کو چلاتے اور بناتے ہیں۔ یہ تعداد میں بہت زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپس میں متحد بھی رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان سے جواب طلبی ممکن ہوتی نہیں۔ یہ لوگ اپنے عہدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اپنی اولادوں کو بھی اس کا حصّہ بناتے ہیں تاکہ ان کے بعد ان کی اولادیں اس نظام میں اپنی جڑیں مضبوط کر سکیں۔ یہ لوگ اقتدار میں رہنے کے لیے خود کو گروپوں میں تقسیم کرنے کی اداکاری کرتے ہیں تاکہ عام لوگوں میں یہ تاثر دے سکیں کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن درپردہ یہ سب ایک جھنڈے تلے متحد ہوتے ہیں۔ اس طرح نسل در نسل سیاست ایک ہی خاندان کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ایسے معاشرے میں ایوان اقتدار تک پہنچنے کے لیے اشرافیہ اپنے ہی رشتہ داروں کی پارٹیاں بناتے ہیں۔ باپ ایک پارٹی میں ہوتا ہے تو بیٹا دوسری پارٹی میں، سالا ایک پارٹی میں ہوتا ہے تو بہنوئی دوسری پارٹی میں، ایک بھائی ایک طرف ہوتا ہے تو دوسرا بھائی دوسری طرف ہوتا ہے۔ الغرض حکومت کسی بھی جماعت کی ہو حکمران خاندان وہی رہتا ہے۔ مشرقی معاشرے میں اشرافیہ اپنی طاقت کے زور پر اپنے خاندان کے لیے آسامیاں پیدا کرتے تاکہ اپنے لوگوں کو بھرتی کر کے مفاد حاصل کر سکیں۔ ایسے مناظر کی عکاسی کرتے ہوئے ناول نگار لکھتے ہیں:

> "دوسرا اہم طبقہ افسروں کا تھا۔ حکمران جو قانون بناتے افسروں نے اسے لاگو کرنا ہوتا تھا۔ اس طبقے میں کرسیاں زیادہ تھیں اس لیے اشرافیہ کی بڑی تعداد کی یہاں کھپت ہو جاتی تھی۔ اشرافیہ کے جن بچوں کی افسر شاہی میں کھپت نہ ہو سکتی انہیں فوج میں بھرتی کر لیا جاتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اشرافیہ کے کسی گھرانے کو خوش کرنے کے لیے افسر شاہی میں خصوصی آسامیاں پیدا کرنا پڑتیں۔ اشرافیہ کا اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے میں مقابلہ ہو بھی جاتا تو بھی افسر شاہی میں وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے دست و بازو بن کر رہتے۔ عوام کو اس بات کا کبھی پتہ نہ چلا کہ ظاہری طور پر ایک دوسرے کے مخالف، دھڑے، سرکاری دفاتر میں ایک دوسرے کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔"(4)

کسی بھی معاشرے میں تہذیب و ثقافت کے پروان چڑھنے میں مذہب ایک اہم جز ہے، لوگوں کا مذہب سے لگاؤ اس ثقافت کی واضح عکاسی کرتا ہے۔ مذہبی لوگوں کا کردار اس ضمن میں انتہائی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ معاشرے میں جہاں نیک باکردار مذہب

پسند لوگ موجود ہوتے ہیں وہیں دوسری طرف موقع پرست، لالچی اور بدنیت لوگوں کی موجودگی بھی ہوتی ہے۔ خیر اور شر دونوں برابر وقوع پذیر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں نیک اعمال کے ساتھ ساتھ برے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ معاشرے کی ترقی میں علما کرام کا کردار ہمیشہ سے موجود رہتا ہے لیکن ہمارے معاشرے کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہی علما کرام اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر دین کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور اپنے الفاظ اور عمل کے ذریعے لوگوں میں منفی رجحان پیدا کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو محنت مشقت اور مزدوری کی تلقین کرنے کی بجائے بھیک مانگ کر گزارا کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر معاشرے میں غریب لوگ نہیں ہوں گے تو امیر لوگ صدقہ خیرات کس کو دیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہی امیر اور غریب دو طبقات پیدا کیے ہیں تاکہ نظام قائم رہے۔ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو کوئی بھی شخص پیدائشی غریب نہیں ہوتا یہ تو اس کی کم علمی اور کم عملی کا نتیجہ ہے کہ وہ معاشرے کے ساتھ قدم ملا کہ نہیں چل سکا اور بہت پیچھے رہ گیا اور یہی بات اس کی غربت کی وجہ ہے۔ یہ کہنا سچ ہے کہ غریب پیدا ہونا کوئی جرم نہیں ہے مگر غریبی کی حالت میں مرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مشرقی معاشرے میں موجود نام نہاد علما کرام لوگوں کو محنت کی طرف راغب کرنے کی بجائے ساری زندگی امیر لوگوں سے اپنے ذاتی مفاد حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جو سب سے بڑھ کر جاہل تھے مگر انہیں علما کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ ان کے ذمے عوام کو بے وقوف بنائے رکھنا تھا۔ یہ مذہب کو ایسی شکل میں پیش کرتے جو اشرافیہ کے پاؤں مضبوط رکھنے میں معاون ہو۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ امیری اور غریبی کا فرق خدا نے خود رکھا ہے۔ یہ فرق نہ ہو تو خیرات کیسے تقسیم کی جاسکے جبکہ سب سے بڑی نیکی خیرات تقسیم کرنا ہے اور مخیر حضرات سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اگر سب برابر ہو گئے تو جنت خالی رہ جائے گی اور اللہ تعالی نہیں چاہتا کہ سب لوگ جہنمی ہو جائیں۔ اس لیے عوام اور اشرافیہ کی تقسیم اس نے خود کی ہے۔"(5)

ناول ڈرپوک میں مشرقی معاشرے کے اس پہلو کی بھی عکاسی کی گئی ہے کہ غربت اور جہالت مشرقی معاشرے کا بہت بڑا مسئلہ ہے بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ اس معاشرے کی بہت بڑی کمزوری ہے اور اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر حکمران ان کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ غریب عوام حکمرانوں کے احسانات کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں اور ان کے ہر جائز اور ناجائز احکامات کو ماننے کے لیے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ کرپشن، سیاسی مداخلت اور عدالتی نظام کی کمزوری کی وجہ سے قانون کا اطلاق ناممکن ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو وہی معاشرہ یا سوسائٹی ترقی یافتہ کہلاتا ہے جس میں عوام خوشحال اور محفوظ ہو۔ کامیاب معاشرہ عوام کی ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔ عوام کی خوشی، معاشرے کی خوش حالی کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ ان کی بدحالی معاشرے کی بدحالی تصور کی جاتی ہے۔ مشرقی معاشرے میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ عوام کو جمہوریت کے نام پر دھوکے میں رکھا جاتا ہے لیکن جمہوریت صرف ووٹ کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ حکمران کوئی فوجی ہو یا کوئی سیاست دان عوام کو ہمیشہ اپنا غلام بنا کر رکھنا پسند کرتے ہیں اور ایسی حکمت عملی وضع

کرتے ہیں جو عوام کو غلامی کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ حکمران عوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں جن سے بوقت ضرورت مرضی کا کام لے کر کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کی عوام سے رغبت صرف مفادات کی تکمیل تک قائم رہتی ہے۔ حکمران انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔

جب کوئی ایک شخص یا جماعت اقتدار میں آتی ہے تو وہ اپنے منشور کے ذریعے بھولی بھالی عوام کو اپنی باتوں میں لگا کر ووٹ حاصل کر کے خود کو اقتدار میں لے آتے ہیں۔ جب بات منشور میں کیے گئے وعدوں کی تکمیل پر آتی ہے تو یہی سیاست دان الٹے پاؤں بھاگ جاتے ہیں اور عوام اسی طرح بدحالی کا شکار رہتی ہے۔ ایک جماعت یا شخص سے مایوس ہو کر عوام کسی دوسرے مسیحا کی تلاش میں نکل پڑتی ہے اور ساری زندگی اسی طرح غربت کی حالت میں گزار دیتے ہیں۔ بھولی بھالی عوام یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے کہ اشرافیہ سیاست دان اور فوجی پس پردہ سب ایک ہی ہیں۔ عوام کو بے وقوف بنانے اور اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے یہ لوگ بس ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور عوام کی معصومیت کا فائدہ اٹھا کر خود عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ سیاست دان اپنی باری کے لیے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی سیاست دان عوام میں مقبول ہو جائے تو دوسرے سیاست دانوں کو اپنی باری خطرے میں نظر آتی ہے اس لیے وہ ہر وہ سیاست دان، جو طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں اور عوام کی بھلائی کی بات کرتے ہیں، وہ دوسرے یا مخالف پارٹی والوں کو کسی صورت بھی قبول نہیں ہوتے۔ ناول نگار اس کی عکاسی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "حکمران فوج ہو یا سیاستدان، عوام نے ہمیشہ غلام ہی رہنا ہوتا ہے اس لیے انہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ عوام کی مثال مویشیوں جیسی ہوتی ہے، بے شک وہ مالک کی کھرلی پر بندھے رہیں یا انہیں چور لے جائیں۔ پھر اس حکمران نے تو ان کو سسکنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا اس لیے انہوں نے اس کے دور اقتدار میں خاموشی سے وقت گزارا۔ اشرافیہ کے دیگر طبقات کو بھی بڑا سکون تھا مگر جو ایوان اقتدار میں پہنچنے کے خواہش مند تھے وہ پریشان ہو گئے۔ حکومت بدلتی رہے تو اشرافیہ میں سے ہر ایک کو اپنی باری ملنے کی امید لگی رہتی ہے مگر حکومت ایک شخص پر آ کر رک جائے تو ایوان اقتدار میں پہنچنے کے شوقین گھبرا جاتے ہیں۔"(6)

کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے بنیادی انتظامی ڈھانچہ نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سکول، صحت کے لیے ہسپتال، امن و امان کے لیے پولیس اسٹیشن، قانون پر عمل درآمد کے لیے عدالتوں کا ہونا اور دوسرے علاقوں کے ساتھ رابطے منظم کرنے کے لیے ذرائع نقل و حمل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ناول نگار نے ناول ڈرپوک میں مشرقی معاشرے کے مختلف پہلو بیان کرتے ہوئے اس طرف توجہ مبذول کروائی ہے کہ مشرقی معاشرے میں بنیادی سہولیات کا فقدان پایا جاتا ہے۔ لوگوں کو تعلیم، علاج معالجے اور بجلی کی سہولیات میسر نہیں ہوتی۔ ایسے معاشرے میں سڑکیں پکی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے

مسائل درپیش آتے ہیں ذرائع نقل و حمل مناسب نہ ہونے کی وجہ سے مریضوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو بروقت علاج کی سہولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ گاؤں میں سکول نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بچوں کو نہیں پڑھاتے کیونکہ میلوں کا فاصلہ طے کر کے سکول جانا بہت مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ ایسی صورت حال میں لوگ بچوں کو گھر بٹھا لیتے ہیں لیکن پڑھاتے نہیں۔

تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے جس سے انسان میں اچھے برے کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔ مشرقی معاشرے میں اقتدار میں موجود لوگوں کو تعلیم جیسی سہولت سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر لوگوں میں شعور پیدا ہو گیا تو حکمران طبقہ اور اشرافیہ کے لیے مشکلات کا باعث بنے گا اور ان کی من مانی ختم ہو جائے گی۔ یہ طبقہ صرف دکھانے کی غرض سے علاقے میں ایک چھوٹا سا سکول قائم کر دیتے ہیں جس میں سہولیات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ مشرقی معاشرے میں عورتوں کو بنیادی حقوق کے ساتھ ساتھ تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے۔ ایسے معاشرے میں لڑکیوں کو سرے سے ہی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ملتی بلکہ لڑکیوں کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کو بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر مہیا ہوتی ہیں۔ ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کی دستیابی تو دور وہاں ڈاک خانے بھی خستہ حال ہوتے ہیں جہاں سے ڈاک بھیجنا اور وصول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لوگوں کو ایک خاص علاقے علاقے تک محدود کر کے دوسرے علاقوں کی ثقافت، تہذیب، رہن سہن، رسوم و رواج سے دور رکھ کر ان کو اپنے ماتحت رکھا جاتا ہے۔ لاشعوری اور کم علمی کی وجہ سے غریب طبقہ، اشرافیہ اور حکمرانوں کے ماتحت رہتا ہے:

> "اروڑہ جس گاؤں میں پیدا ہوا وہاں پکی سڑک نہیں جاتی تھی۔ بجلی کا تو سوال ہی پیدا نہ تھا اور وہاں کوئی سکول تھا نہ ڈاک خانہ۔ وہاں سے تین میل کے فاصلے پر ایک بڑا گاؤں تھا جس میں لڑکوں کا چوتھی جماعت تک سکول تھا۔ لڑکیوں کو پڑھانا اس علاقے میں معیوب سمجھا جاتا تھا۔"(7)

ناول "ڈرپوک" میں ناول نگار نے مشرقی معاشرے میں کرپشن، سیاسی مداخلت اور عدالتی نظام کی کمزوری کی وجہ سے قانون کا اطلاق ناممکن ہے۔ کسی بھی معاشرے میں قانون کا اطلاق لازم و ملزوم ہے اس کے بغیر معاشرے میں جرائم جنم لیتے ہیں۔ حکمران طبقہ تو اس سے بالاتر ہو کر کسی شکنجے میں نہیں آتا لیکن غریب عوام ہمیشہ پنچائیتوں کی نظر ہو جاتے ہیں ان کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا۔ وہی معاشرہ ترقی کرتا ہے جس میں امیر اور غریب کے لیے یکساں قانون ہو اور اس کی عملداری کے وقت جرم اور مجرم کو دیکھا جائے نہ کہ اس کہ حیثیت کو۔ لیکن بدقسمتی سے مشرقی معاشرے میں قانون کا اطلاق یا تو ہوتا نہیں اور اگر ہو تو اس کا اطلاق صرف غریب پر ہوتا ہے جبکہ امیر کو تمام قوانین سے استثناء حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے مال و دولت اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر قانون کو اپنے پیروں تلے روندھتا ہے۔ وہ کوئی بھی جرم کرنے سے نہیں گھبراتا کیوں کہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ وہ قانون سے بالاتر ہے۔

مشرقی معاشرے میں شہر ہو یا دیہات اِن میں قوانین کا اطلاق مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ شہروں میں تو کسی حد تک قانون کی عمل داری ہوتی ہے لیکن دیہات میں ایسا بالکل نہیں ہوتا۔ دیہاتوں میں آج بھی پنچائیت کا نظام قائم ہے، لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدالتوں کی بجائے اپنے معاملات گاؤں کی پنچائیت میں لے کر جاتے ہیں اور وہاں سے فوری انصاف لیتے ہیں۔ پنچائیت کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اور ہر کوئی اس کا پابند ہوتا ہے۔ عموماً پنچائیت میں دیہات میں موجود اثر ورسوخ والی شخصیات کو پنچائیتی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ دیہاتوں میں آج بھی پنچائیتی نظام کا ہونا حکومت کی کمزوری اور ناقص حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ اگر عدالتیں فوری انصاف مہیا کریں تو پنچائیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ دیہاتوں میں طاقت ور لوگوں نے اپنا لوہا منوانے اور لوگوں کو اپنی گرفت میں کرنے کے لیے پنچائیتی نظام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔

ناول نگار نے پنچائیتی نظام کی عکاسی نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے جس میں وہ مرکزی کردار اروڑہ کو چوری کرنے کی وجہ سے پنچائیت کے سامنے پیش کرتا ہے اور پھر وہاں پر موجود لوگوں کی تجویز کردہ سزاؤں کا ذکر کرتا ہے۔ درحقیقت ناول نگار نے اس ناول میں مشرقی معاشرے کے اس پہلو کو عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے اور پنچائیت میں ہونے والے انسانیت آسوز واقعات کو الفاظ کی صورت میں ڈھالا ہے:

> "دوسرے دن پنچائیت بیٹھ گئی اروڑہ بھی حاضر تھا اور اس کا باپ بھی۔ کسی نے جرمانہ کرنے کا مشورہ دیا تو کسی نے منہ کالا کر کے گھمانے کا۔ کچھ آوازیں حقہ پانی بند کرنے کی بھی آئیں۔ ایک آدھ شخص نے گاؤں بدر کرنے کا مشورہ بھی دیا۔"(8)

کسی بھی معاشرے کی ترقی کا انحصار وہاں پر موجود سہولیات اور کھیل کے میدان سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کھیل انسانی صحت کے لیے بہت مفید ہوتے ہیں۔ مشہور انگریزی مقولہ ہے کہ جس ملک کے کھیل کے میدان آباد ہوتے ہیں وہاں ہسپتال بند ہوتے ہیں۔ کھیل انسانی نشوونما میں اول درجہ رکھتے ہیں یہ نشوونما نہ صرف ذہنی اور جسمانی ہوتی ہے بلکہ سماجی نشوونما بھی اس سے پروان چڑھتی ہے۔ بچہ، جوان، بوڑھا الغرض کسی بھی عمر کا آدمی ہو اس کو کھیل کود اور سیر و تفریح کی ضرورت ہر وقت محسوس ہوتی رہتی ہے تاکہ وہ توانا اور صحت مند زندگی گزار سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ علاقوں میں گھروں کے اندر اور باہر پارک کی صورت میں کھیلنے کی جگہ ہوتی ہے۔ مغربی معاشرے میں بچوں کے کھیل کود اور سیر و تفریح کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ وہ بچوں کی ذہنی نشوونما کے ساتھ ساتھ جسمانی نشوونما کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ ہر علاقے میں بچوں کے لیے پارک اور کھیلوں کے میدان موجود ہوتے ہیں۔ بچوں کی سیر و تفریح کے لیے مغربی معاشرے میں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بزرگوں کے بیٹھنے کے لیے مناسب سہولیات میسر ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تقریباً زیادہ تر کھیل مغرب نے ہی متعارف کروائے ہیں اور ان میں اپنا لوہا منوایا ہے:

"جس جگہ وہ دونوں بیٹھے تھے وہاں ان کے سامنے کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ پارک اور سیر گاہوں میں بچوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور وہاں پر ان کے کھیلنے کی کئی چیزیں موجود ہوتی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لیے اروڑہ اور سونیا کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگے۔"(9)

مغربی معاشرہ ایک خوشحال معاشرہ سمجھا جاتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی اور صنعتی انقلاب کی وجہ سے مغربی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ مغربی معاشرے میں لوگ محنتی اور وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ ہر کام وقت پر کرتے ہیں۔ انہیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو بھیک مانگنے کی بجائے، محنت اور مزدوری کر کے اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اپنی ملازمت کی جگہ پر اوور ٹائم لگا کر مزید پیسے کماتے ہیں۔ اس معاشرے میں امیر اور غریب میں فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لوگ اپنی ثقافت اور تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ بظاہر سب ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق اپنی کمائی کا ذریعہ ڈھونڈتا ہے اور معاشرے میں باعزت زندگی گزارتا ہے۔ مغربی معاشرے کے لوگ محنت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے بلکہ نیت سے کام پورا کرتے ہیں۔ دوسری جانب ان کے مالکان بھی اپنے ملازموں کے ساتھ شفقت کا معاملہ رکھتے ہیں اور انہیں کام کی پوری اجرت دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں ناانصافی اور بے ایمانی کا تصور نہیں پایا جاتا۔ مغربی معاشرے میں تمام منصوبے آبادی کو مدنظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں تاکہ ہر طرح کی سہولیات سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جا سکے۔ امیر اور غریب کا فرق ختم کر کے جو سہولیات ارب پتی لوگوں کو میسر ہوتی ہیں وہی عام لوگوں کو بھی میسر ہوتی ہیں۔ سہولیات کی یہ تقسیم مغربی معاشرے کو مزید ترقی یافتہ اور مہذب بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ ناول نگار لکھتے ہیں:

"آپ کے ملکوں میں معاشرے کی صورت ایک جیسی نظر آتی ہے۔ امیر غریب کا فرق یہاں بھی ہے مگر وہ فرق کہیں منہ بولتا نظر نہیں آتا۔ بڑے شہروں سے لے کر دیہاتوں تک ہر جگہ ایک جیسی سہولتیں میسر ہیں۔ آپ کے ملکوں میں منصوبے پوری آبادی کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔"(10)

مغرب میں معاشرے کو بہت اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہر فرد معاشرے کی ترقی اور بہتری میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس سے معاشرے میں موجود لوگوں کو کسی بھی طرح کا کوئی نقصان پہنچے۔ یہ لوگ پورے معاشرے کے ساتھ اپنے گھر کی طرح کا سلوک رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو اصول اسلامی معاشرے میں ایک مسلمان کو اپنانے چاہیے تھے وہ اصول مغربی معاشرے میں غیر مسلموں نے اپنا رکھے ہیں اور یہی اصول ان کی ترقی اور کامیابی کے ضامن ہیں۔ مشرقی معاشرے کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ مسلم اکثریتی معاشرہ ہونے کے باوجود ان اسلامی اصولوں سے کوسوں دور ہے۔ یہاں پر لڑائی جھگڑے کو نسل در نسل لے جایا جاتا ہے اور اس میں نسلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ہر آنے والی نسل اپنی پچھلی نسل کا بدلہ لینے کے لیے مار کٹائی اور قتل و غارت سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ اس بات سے قطع تعلق کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہو گا اور اس کی کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی؟ لوگ اسے دل و جان سے لڑتے رہتے ہیں۔ مغرب میں صورت حال اس سے

بالکل برعکس ہے وہ اسلامی اصول صبر و تحمل پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے کے معاملات کو بجائے طول دینے کے اسی وقت ختم کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی غلطی ہو وہ وسعت قلب کے ساتھ اسے قبول کرتا ہے اور اسے شرمندگی کی بجائے حل کرتا ہے۔ ایسے معاشرے میں لوگ بڑے سے بڑے معاملات کو صرف تین الفاظ بول کر حل کر لیتے ہیں اور دوسرا فریق نقصان ہونے کے باوجود معذرت قبول کر کے معاملے کو رفع دفع کرتا ہے۔ مغربی معاشرے میں لوگ آپس کے معاملات میں تلخی پیدا کرنے کی بجائے اسے خوش اسلوبی سے حل کر لیتے ہیں۔ یہ معاشرہ قوانین سے زیادہ اپنی اقدار اور اخلاقیات کے بل بوتے پر پروان چڑھتا ہے کوئی بھی معاملہ ہو بغیر کسی انتشار کے ختم ہو جاتا ہے:

> "اگر کبھی کوئی سخت لفظ زبان سے نکال بھی بیٹھتا تو اگلے لمحے ان ممالک کے رواج کے مطابق آئی ایم سوری کہہ کر تلخی ختم کر دیتا۔ اروڑے کے ملک میں لوگ بات ہنسی مذاق سے شروع کرتے اور آخر میں مرنے مارنے پر اتر آتے مگر مغربی ممالک میں بات بے شک جتنی بڑھ جاتی اگر ایک فریق سوری کہہ دیتا تو سارا غصہ اس بات پر ٹھنڈا ہو جاتا۔ اس کی وجہ شاید دونوں معاشروں میں سے ایک کی بھوک اور دوسرے کی تونگری تھی۔"(11)

مغربی معاشرے میں حقوق کی خلاف ورزی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں ہر کسی کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے حتی کے جانوروں کے حقوق کی بھی تمیز رکھی جاتی ہے۔ پالتو جانور کو گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے اس کی خوراک، رہائش الغرض ہر لحاظ سے دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ مشرقی معاشرے میں وہ پالتو جانور جو مسلمانوں کے نزدیک حلال ہیں انہیں گھروں میں پالا جاتا ہے اور وہ جانور جو حرام ہیں انہیں گھر میں رکھنا اور پالنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مغربی معاشرے میں بلی اور کتے جیسے جانوروں کو گھروں میں پالا جاتا ہے انہیں گود میں اٹھا کر بچوں کی طرح پیار کیا جاتا ہے، حتی کہ بستروں میں ساتھ سلایا جاتا ہے۔ ان جانوروں کو وہ لاڈ پیار ملتا ہے جو معاشرے میں انسان اپنے بچوں سے کرتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات ذرا معیوب نہیں کہ وہ گھر کے افراد کے ساتھ ساتھ کتے کا نام بھی بتاتے ہیں اس کا تعارف کرواتے وقت فخر محسوس کرتے ہیں۔ جتنا پیار ملاقات کے وقت انسان ایک دوسرے سے کرتے ہیں اتنا ہی پیار کتوں کو ملتا ہے۔ مغربی معاشرے میں جب لوگ سیر و تفریح کی غرض سے جاتے ہیں تو کتے کو بھی ساتھ لے کر جاتے ہیں اور اس کی خوراک کا خاص بندوبست رکھتے ہیں:

> "مغرب میں کتا گھر کے فرد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ لوگ کتوں سے بغل گیر ہوتے، ان کا منہ چومتے اور ہر طرح کا لاڈ کرتے۔ اگر کسی نے افراد خانہ کا تعارف کرانا ہوتا تو دوسروں کے ساتھ کتے کا نام بھی بتاتے۔ ملاقات کے وقت اگر دوسرے کا کتا ساتھ ہوتا تو اسے پیار کرنا نہ بھولتے۔"(12)

تہوار کسی بھی معاشرے کا عکس ہوتا ہے مشرقی اور مغربی معاشرے میں تہوار ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں ان کی آپس میں مماثلت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کسی بھی معاشرے کے تہوار وہاں کے رہنے والے لوگوں کی امنگوں کے عین مطابق ہوتے ہیں لوگ ان تہواروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور سال بھر ان کے آنے کا انتظار کرتے

ہیں۔ ہر تہوار پر خاص قسم کی تیاریاں ہوتی ہیں اور لوگ انہیں انتہائی جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ مغرب میں ایک تہوار نئے سال کی آمد پر منایا جاتا ہے اور اسے ایک خاص طریقے سے مناتے ہیں۔ اس میں اجتماع کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ اکٹھ یا تو ایک دوسرے کے گھروں میں ہوتا ہے یا کسی جگہ میلے کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔ نئے سال کا آغاز موسم سرما میں ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ کھلی جگہ پر اکٹھے ہو کر یہ رسم مناتے ہیں۔ لوگوں کا یہ ہجوم ہزاروں کی تعداد میں ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود لوگ اسے انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ مناتے ہیں اس حوالے ناول نگار لکھتے ہیں:

> "مغرب میں ایک تہوار ہر مرتبہ نیا سال شروع ہونے پر بھی منایا جاتا۔ اس تہوار میں اجتماع کی دو صورتیں ہوتی تھیں یا تو لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں اکٹھے ہو جاتے یا شہر میں کسی جگہ میلہ لگا لیتے۔ نیا سال سرد موسم میں شروع ہوتا تھا، اس کے باوجود مغرب کے کچھ شہروں میں کھلی جگہ پر اکٹھے ہونے کی یہ رسم ہر سال منائی جاتی۔ ایک شہر کے مرکزی چوک میں تو پچاس ساٹھ ہزار لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔"(13)

کسی بھی معاشرے میں تہذیب و ثقافت کے پروان چڑھنے میں مذہب ایک اہم جز ہے۔ لوگوں کا مذہب سے لگاؤ اس ثقافت کی واضح عکاسی کرتا ہے۔ ناول ڈرپوک میں مشرقی معاشرے میں غربت اور جہالت کے مسائل کو عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کیسے غریب عوام حکمرانوں کے احسانات کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں اور ان کے ہر جائز اور ناجائز احکامات کو ماننے کے لیے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں کرپشن، سیاسی مداخلت اور عدالتی نظام کی کمزوری کی وجہ سے قانون کا اطلاق ناممکن ہو جاتا ہے۔ مشرقی معاشرے میں بنیادی سہولیات جیسا کہ تعلیم، علاج معالجہ اور بجلی کا فقدان ہے۔ ایسے معاشرے میں سڑکیں کچی ہونے کے باعث لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے مشرقی معاشرے میں امیر اور غریب کے لیے قانون مختلف ہوتا ہے۔ امیر اپنے مال و دولت کی بنا پر قانون کو اپنے پیروں تلے روندھتا ہے لیکن غریب قانون کے شکنجے میں رہتا ہے۔ اس کے برعکس مغربی معاشرہ ایک خوشحال معاشرہ سمجھا جاتا ہے جہاں جدید ٹیکنالوجی کو دور دورہ ہے اور لوگ محنتی اور وقت کے پابند ہیں۔ اس معاشرے میں امیر ہو یا غریب سب کے لیے قانون برابر ہے۔ مغربی معاشرہ قوانین سے زیادہ اقدار اور اخلاقیات کے بل بوتے پر پروان چڑھتا اور ہر معاملہ بغیر کسی انتشار کے ختم کرنے کا قائل نظر آتا ہے۔ مغربی معاشرے میں حقوق کی خلاف ورزی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہے۔

حوالہ جات

1. حقی، شان الحق، فرہنگ تلفظ۔ طبع چہارم (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2002ء)، 636۔
2. جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مرتب) قومی انگلش ڈکشنری (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1993ء)، 736۔
3. حفیظ خان، فلیپ، ڈرپوک۔ ڈاکٹر مشتاق عادل (لاہور: فکشن ہاؤس، 2024ء)، اندرونی فلیپ
4. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک (لاہور: فکشن ہاؤس، 2024)، 8۔
5. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک، 9-10۔
6. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک، 27۔
7. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک، 37۔
8. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک، 51۔
9. مشتاق عادل، ڈاکٹر (مترجم)، ڈرپوک، 209۔
10. ایضاً، 210۔
11. ایضاً، 222۔
12. ایضاً، 223۔
13. ایضاً، 264۔

References in Roman Script

1. Haqi, Shan-ul-Haq, Farang-e-Talafuz, 4th edition (Islamabad: Moqtadra Qaumi Zaban, 2002), 636.
2. Jamil Jalibi, Dr. (compiler) Qaumi English Dictionary (Islamabad: Moqtadra Qaumi Zaban, 1993), 736.
3. Hafeez Khan, Flip, Darpok. Dr. Mushtaq Adil (Lahore: Fiction House, 2024), inner flap
4. Mushtaq Adil, Dr. (translator), Darpok (Lahore: Fiction House, 2024), 8.
5. Mushtaq Adil, Dr. (translator), Darpok, 9-10.
6. Mushtaq Adil, Dr. (translator), Darpok, 27.
7. Mushtaq Adil, Dr. (translator), Darpok, 37.
8. Mushtaq Adil, Dr. (Translator), Darpok, 51.
9. Mushtaq Adil, Dr. (Translator), Darpok, 209.
10. Ibid., 210.
11. Ibid., 222.
12. Ibid., 223.
13. Ibid., 264.